مشق

۱۔ متن کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

ا۔ وطنِ عزیز ایک ترقی پذیر ملک ہے۔

ب۔ تخلیقِ آدم کے بعد نسلِ انسانی تیزی سے پھیلنی شروع ہوئی۔

ج۔ درختوں کے بے تحاشا کٹاؤ سے جنگل سکڑ گئے۔

د۔ تاکہ پوری نوعِ انسان کے معیارِ زندگی کو بہتر کیا جا سکے۔

ہ۔ وطنِ عزیز بھی اسی طرح کے پیچیدہ حالات سے دوچار ہے۔

و۔ بہتر معیارِ زندگی ہر فرد کا بنیادی حق ہے۔

ز۔ جس میں ہماری مذہبی اقدار سب سے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

۲۔ معیارِ زندگی سے کیا مراد ہے؟ اس کو کس طرح بلند کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ اگر وطنِ عزیز کی آبادی وسائل کے مطابق ہو تو وطن میں کیا متوقع تبدیلیاں رونما ہوں گی؟

۴۔ مندرجہ ذیل الفاظ کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

وباؤ۔ منصوبہ بندی۔ خود اعتدالی۔ انتشار۔ پاسداری۔

۵۔ درج ذیل الفاظ پہ اعراب لگا کر درست تلفظ کے ساتھ لکھیں۔

تشکیل۔ معیار۔ امر۔ آخرت۔ توازن

۶۔ اپنے شہر کے میونسپلٹی کے ایڈمنسٹریٹر کو خط لکھیں اور شاپنگ بیگ کے نقصانات سے آگاہ کرتے ہوئے انھیں تلف کرنے کی تجاویز دیں۔

ہدایت برائے اساتذہ: طلبہ کے مابین ماحول کی آلودگی اور بڑھتی ہوئی آبادی کے مسائل پر مکالمے کروائیں۔

رتن ناتھ سرشار

پیدائش: ۱۸۴۶ء | وفات: ۱۸۹۵ء

پنڈت رتن ناتھ سرشار کا شمار اُردو ادب کے ممتاز ادیبوں میں ہوتا ہے۔ وہ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ تخلیق نگاری کا شوق اُنھیں اخبارات اور رسائل کی طرف کھینچ لایا، وہ مختلف رسالوں اور اخبارات کے مدیر رہے۔ مہاراجہ کشن پرشاد کی دعوت پر حیدر آباد چلے گئے اور ''دبدبۂ آصفی'' کے ایڈیٹر بن گئے۔ اُن کا انتقال ۱۸۹۵ء میں حیدر آباد میں ہوا۔

اُردو ناول کے ارتقا اور فروغ میں سرشار کا کردار ناقابلِ فراموش ہے۔ اُن کی تخلیقات فسانۂ آزاد، جامِ سرشار، اور سیرِ کہسار نے ایسی شہرت پائی کہ بہت سے نامی گرامی مصنّفین اور مصلحینِ قوم ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کا ابتدائی ناول ''فسانۂ آزاد''، اخبارِ اودھ میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ ان کے ناولوں میں سیر سپاٹے، ہنسی مذاق اور عجیب و غریب کمالات موجود ہیں۔ ان کا قلم رواں دواں تھا اور انداز اتنا پختہ تھا کہ محیر العقول واقعات پر بھی حقیقت کا گماں ہوتا تھا۔

دراصل اُن کا نظریہ تھا کہ ناول محض حظ اٹھانے اور وقت گزاری کا وسیلہ ہے۔ اُن کے ناولوں میں بالواسطہ مقصدیت اور اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اُنھوں نے اپنی نثر کو آرائش سے محفوظ رکھا ہے۔ تاہم محاورات، روزمرہ اور تمثیل و تشبیہ کی معاونت سے اس کا رشتہ قدیم طرزِ تحریر سے جُڑتا نظر آتا ہے۔

تصانیف: شمس الضحیٰ، اعمال نامۂ روس، کامنی، الف لیلہ اور خدائی فوجدار وغیرہ۔

داروغہ جی کی پانچوں گھی میں اور سر کڑاہی میں

(اس متن کی عبارت رتن ناتھ سرشار کے ناول ''فسانۂ آزاد'' سے انتخاب ہے۔ ''فسانۂ آزاد میں فنی لحاظ سے ناول کے خدوخال ملتے ہیں۔ اس کا پلاٹ ڈھیلا ڈھالا ہے۔ اس ناول میں لکھنؤ کی معاشرتی زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔ لکھنؤ کی معاشرت کو ہلکے پھلکے طنز و مزاح کے ذریعے سامنے لایا گیا ہے جس سے قاری کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا ہے۔ والیانِ اودھ کی شاہ خرچیاں، مالی معاملات اور کاروبارِ سلطنت سے غفلت کی سچی اور کھری تصویر پیش کی گئی ہے۔ اودھ کے نوابین کی غفلت اور عیش کوشی کا یہ عالم تھا کہ ان کے معمولی ملازمین روزمرہ اخراجات کی مد میں ان سے ہزاروں روپے بٹور رہے تھے۔ چاہے وہ داروغہ جی ہوں، بزاز یا پھر خوجی۔ سرشار نے لکھنؤ کی تہذیبی، سیاسی اور اخلاقی شکست و ریخت کو بڑی باریکی اور تفصیل کے ساتھ ''فسانۂ آزاد'' کا حصہ بنایا ہے۔ زیرِ نظر اقتباس میں بھی لکھنؤ کے عہد میں نوابان کے طرزِ زندگی، میاں آزاد اور خوجی کے ردِ عمل کو پیش کیا گیا ہے۔)

نواب: داروغہ جی! اس حلوائی کا حساب کر دو اور اس کو سمجھا دو کہ اگر خراب یا سڑی ہوئی باسی مٹھائی بھیجی تو اس سرکار سے نکال دیا جائے گا۔ پرسوں برفی خراب بھیجی تھی گھر میں شکایت کرتی تھیں۔

داروغہ: سنتے ہو جی شیودین! دیکھو سرکار کیا فرماتے ہیں؟ خبردار! جو گلی سڑی مٹھائی بھیجی تو تم جانو گے۔ اب تم نے نمک حرامی پر کمر باندھی ہے، کھڑے کھڑے نکال دیے جاؤ گے۔ ہاں! بس کہہ دیا ہے تم سے۔ تمھارے بھائی بند سینکڑوں در چوم کے مٹھائی دیں گے مگر تم راندے ہی جاؤ گے۔

حلوائی: نہیں کھداوند! گلام کی کیا مجال۔ اول مال دوں اول مال، چاشنی جرا (ذرا) بہت آگئی تو دانہ کم

پڑا۔ ملائم نہ رہی، کڑی ہوگئی۔ چاشنی کی گولی دیر میں دیکھی۔ نہیں تو یہی دکان کی برفی تو شہر بھر میں ماشور (مشہور) ہے۔ وہ لجّت (لذّت) ہوتی ہے کہ ہونٹ بندھنے لگتے ہیں۔

داروغہ: چلو تمھارا حساب کر دیں، لے بتاؤ۔ کتنے دن سے خرچ نہیں پایا اور تمھارا کیا آتا ہے؟

حلوائی: جو حساب سے ہو۔

داروغہ: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم!* اور ہم پوچھتے کیا ہیں۔ یہی تو پوچھتے ہیں کہ حساب سے کیا ہوا؟

حلوائی: اگلے مہینے میں پچیس روپے کچھ آنے کی آئی تھی اور اب کی دس تاریکھ (تاریخ) انگریجی (انگریزی) تک کوئی ستر یا اسی۔

داروغہ: اجی! تم تو گئے گذرے بازیاں کرتے ہو۔ ستر یا اسی یا سَو۔ اس مہینے میں اتنی۔ اس مہینے میں اتنی۔ یہ بکھیڑا تم سے پوچھتا کون ہے؟ اس جھنجھٹ سے ہمیں واسطہ کیا بھلا، ہمیں تو بس گٹھڑی بتا دو کہ اتنا ہوا۔

حلوائی: اچھا حساب تو کرلوں (تھوڑی دیر کے بعد) بس ایک سو بیالیس روپے اور دس آنے دیجیے۔ چاہے حساب کر لیجیے، بولتا جاؤں؟

داروغہ: اجی! تم کوئی نئے تو ہو نہیں۔ اب بتاؤ! اس میں یاروں کا کتنا ہے۔ سچ بولنا لالہ! (پیٹھ ٹھوک کر) آؤ وارے نیارے ہوں۔ کیوں ہے نہ؟

حلوائی: بس سو ہم کا دے دیو۔ بیالیس تم لے لو۔ سیدھا سیدھا میں تو یہ جانتا ہوں۔

داروغہ: اچھا منظور، مگر بیالیس کے باون کرو۔ ایک سو تم لو باون ہمارے۔ سچ کہنا کوئی چالیس کی مٹھائی اُس مہینے اور اِس مہینے میں ملا کر آئی ہوگی یا کم؟

حلوائی: اجی ہجور! آپ کو اس بھید سے کیا واسطہ! آپ کو آم کھانے سے گرج (غرض) ہے یا پیڑ گننے سے اور سچ سچ یہ ہے کہ کوئی سب ملا کر اڑتیس روپے کی آئی ہوگی۔ مُل وَجَن (وزن) میں البتہ کتر بیونت کر دیتا ہوں، سیر بھر لڈو مانگ بھیجے۔ ہم نے پاؤ سیر کم کر دیے۔

* قدرے اضافے کے ساتھ۔

داروغہ: اونھ! اس کی نہ کہیے۔ یہاں اندھیر نگری چوپٹ راجہ ہے۔ یہ دماغ کسے کہ تولنے بیٹھے۔ میاں لکھ لٹ، بیوی ان سے بڑھ کر۔ ڈنڈی ترازو کون لے بیٹھے۔ چین کرو۔ دس کے پچاس لو اور سیر کے تین پاؤ بھیجو۔ مزے ہیں۔ اچھا! یہ سو روپے گن لو اور ایک سو باون کی رسید ہمیں دو۔

حلوائی: یہ مول تول ہے۔ سو اور پانچ ہم لیں اور باکی (باقی) ہجور کو ممارک (مبارک) رہیں۔ مالمے (معاملے) کی بات ہے۔

الغرض داروغہ نے حلوائی کو راضی کر لیا۔ اس داروغگی کے صدقے اڑتیس روپے کے ایک سو باون دلوائے اور بیالیس سے زیادہ ہی زیادہ خود ہضم کیے۔ اے پھٹکار! کور نمک ایسے ہی ہوا کرتے ہیں جن رؤسا کے یہاں ایسے ایسے داروغہ اور اہلکار ہوں، ان کا خدا ہی حافظ ہے، مگر نواب صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ وہ خبر ہی نہ ہوئے کہ کیا دیا اور کیا لیا اور یار لوگوں نے حلوائی سے بالائی رقم اڑا ہی لی پھر وہ تو شیرِ مادر ہے۔

اب سنیے کہ میاں خوجی نے وہ ساری گفتگو سن لی جو داروغہ جی اور حلوائی میں ہوئی۔ جب داروغہ جی نے شیودین حلوائی کو ہنسی خوشی رخصت کیا تو خوجی نے بڑھ کر یوں کہا:

خوجی: اجی حضرت! آداب عرض ہے۔ کہیے! اس میں کچھ یاروں کا بھی حصہ ہے؟ یا باون کے باون خود ہی ہضم کر جاؤ گے اور ڈکار تک نہ لو گے؟ اب ہمارا اور آپ کا ساجھا نہ ہو گا تو بُری ٹھہرے گی۔

داروغہ: کیا! کس سے کہتے ہو؟ یہ ساجھا کیسا؟ آخر ہم بھی تو سنیں۔ بھنگ تو نہیں پی گئے ہو کہیں؟ یہ کیا واہی تباہی بک رہے ہو؟ ذرا سمجھ بوجھ کر بات زبان سے نکالا کیجیے۔ یہاں بیہودہ بکنے والوں کی زبان دست پناہ سے نکال لی جاتی ہے تم نکڑ گدوں کو ان باتوں سے کیا واسطہ؟

خوجی: (کمر کس کر) اوگیدی! قسم خدا کی اتنی قرولیاں بھونکی ہوں کہ یاد کرے۔ مجھے بھی کوئی ایسا ویسا سمجھے ہو۔ میں آدمی کو دم کے دم میں سیدھا بنا دیتا ہوں۔ ذری کسی اور بھروسے نہ بھولیے گا۔ کیا خوب! اڑتیس کے ڈیڑھ سو دلوائے اور پچاس خود اڑائے اور اوپر سے غراتا ہے مردک۔ بہت داروغگی کے بھروسے نہ بھولیے گا۔ میں ابھی تو نواب صاحب سے سارا کچا چٹھا جڑتا ہوں، کھڑے کھڑے نہ

نکال دیے جاؤ تو سہی۔ ہم تمام عمر رئیسوں ہی کی صحبت میں رہے ہیں، گھانس نہیں چھیلا کیے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے بیس روپے اِدھر رکھ دیجیے اور بیسیوں چہرہ شاہی ہوں۔ بس اسی میں خیر ہے، ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑیں گی۔ اب سوچتے کیا ہو؟ ذرا چین چپڑ کرو، تو ابھی ابھی قلعی کھول دوں۔ یہ اکڑ نا وکڑ نا سب بھول جائے اور یوں تو بیس پر معاملہ ہوتا ہے۔ بولو۔ اب کیا رائے ہے؟ بیس روپے سے غم کھاؤ گے یا ذلت اٹھاؤ گے۔ پہلے تو بڑے گرم ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کھا ہی جاؤ گے، مگر اب موم ہو گئے۔ لے بس اب لائیے لائیے بیس چہرہ شاہی سامنے بسا دیجیے، ورنہ خیر نہیں نظر آتی۔ ابھی تو کوئی کانوں کان نہ سنے گا، پیچھے البتہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔

داروغہ: واہ ری پھوٹی قسمت! آج صبح صبح بوہنی تو اچھی ہوئی تھی۔ اچھے کا منہ دیکھ کر اُٹھے تھے، مگر حضرت نے اپنی منحوس صورت دکھائی۔ خدا جانے یہ ذات شریف کہاں سے سُن رہے تھے۔ لاحول ولاقوۃ! واہ رے! ہم اور واہ ری ہماری قسمت! کہیے اب باون میں سے آپ کو بیس ایک رقم کی رقم نکال دیں، تو ہمارے پاس کیا خاک رہے اور ہاں! خوب یاد آیا۔ بس باون کس مردود کو ملے۔ کل سینتالیس ہی تو ہمارے ہتے چڑھے۔ دس تم بھی لو بھئی! (ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال کر) مان جاؤ استاد۔ ہمیں ضرورت تھی۔ اس سے کہا: ورنہ کیا بات تھی اور پھر ہم تم زندہ ہیں، تو سیکڑوں لوٹیں گے۔ میاں! یہ ہاتھ دونوں لُوٹنے اور رقم ہی پیرنے کے لیے ہیں یا کچھ اور۔

خوجی: دس میں تو ہمارا پیٹ نہ بھرے گا۔ اچھا بھئی! پندرہ دو۔

الغرض داروغہ نے مجبور ہو کر پندرہ روپے میاں خوجی کی نذر کیے اور دونوں آدمی جا کر شریکِ محفل ہوئے تو وہاں نواب صاحب کے فرشتے کو بھی خبر نہیں کہ یہاں کیا وارے نیارے ہوئے۔ وہاں شعر خوانی ہو رہی تھی۔

اتنے میں ایک بزاز آیا اور چوب دار نے آن کر کہا کہ: خداوند! چھاؤنی کا بزاز آیا ہے جو ولایتی کپڑا بیچتا ہے۔ کل بھی حاضر ہوا تھا مگر اس وقت موقع نہ تھا، میں نے عرض نہ کیا۔

نواب: داروغہ سے کہو۔ مجھ سے کیا گھڑی گھڑی آکے پرچہ جڑتے ہو۔(داروغہ سے) جاؤ بھئی! ان کو بھی لگے ہاتھوں بھگتا ہی دو، جھنجھٹ کیوں باقی رہ جائے۔ کچھ اور کپڑا آیا ہے ولایت سے؟ آیا ہے تو دکھاؤ، مگر بابا مول کی سند نہیں۔

بزاز: اب کوئی دوج تک سب کپڑا آجائے گا اور ہجور ایسی بات کہتے ہیں۔ بھلا! اس ڈیوڑھی پر ہم نے کبھی بھی مول تول کی بات کی ہے۔ آج تک! اور یوں تو آپ امیر ہیں جو چاہیں کہیں، مالک ہیں ہمارے۔

داروغہ: چلو بھئی! حساب ہوجائے۔ اٹھو!

داروغہ اور بزاز چلے۔ جب داروغہ صاحب کی کھپریل میں دونوں کے دونوں جا کر بیٹھے تو میاں خوجی بھی رینگتے ہوئے چلے اور دَن سے موجود۔ داروغہ نے جو اُن کو دیکھا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ مردنی سی چہرے پر چھا گئی۔ چپ؛ ہوائیاں اڑی ہوئیں۔ سمجھے کہ یہ خوجہ ایک ہی کائیاں ہے؛ دنیا بھر کا نیاریا ہے اس سے خدا پناہ میں رکھے۔ صبح کو تو مردود نے جتے ہی پر ٹوک دیا اور پندرہ پٹیلے۔ اب جو دیکھا کہ بزاز آیا تو پھر موجود۔ آج رات کو اس کی ٹانگ نہ توڑی ہو سہی، ٹھہر تو جا تو۔ چچا ہی بنا کر چھوڑوں، تو سہی، مگر پھر سوچے کہ:

گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

آؤ اس وقت چنیں وچناں کریں، پھر سمجھا جائے گا۔

خوجی: داروغہ صاحب! سلام۔

داروغہ: آؤ بھائی جان! ادھر مونڈھے پر بیٹھو، اچھی طرح بھئی! حقہ لاؤ آپ کے لیے۔

بزاز صدر بازار کا رہنے والا۔ ایک ہی استاد۔ تاڑ گیا کہ اس کے بیٹھنے سے میرا اور داروغہ کا مطلب خبط ہو جائے گا۔ کسی تدبیر سے اس کو یہاں سے نکالنا چاہیے۔ پہلے تو کچھ دیر داروغہ سے اشاروں ہی اشاروں میں گفتگو ہوا کی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بزاز نے کہا کہ: میاں صاحب! آپ کو یہاں کچھ کام ہے؟

خوجی: تم اپنی کہو لالہ جی! ہم سے کیا واسطہ؟

بزاز: تم یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ چلو۔ اٹھتے ہو کہ میں دوں ایک لات اُوپر سے۔

خوجی: اوگیدی! زبان سنبھال۔ نہیں تو اتنی قرولیاں بھونکوں گا کہ خون خرابہ ہو جائے گا۔

بزاز: اٹھوں پھر میں؟

خوجی: اُٹھ کے تماشا بھی دیکھ لو۔

بزاز: بیدھا ہے کیا؟

خوجی: واللہ جو بے تے کیا، تو اتنی قرولیاں۔

قرولیاں کہہ کر خوجی کچھ اور کہنے ہی کو تھے کہ بزاز نے بیٹھے بیٹھے منہ دبا دیا اور ایک چپت جمائی۔ چلیے دونوں گتھ گئے۔ اب داروغہ کی سنیے کہ بیچ بچاؤ کس مزے سے کرتے ہیں کہ خوجی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور کمر دبائے ہوئے ہیں اور بزاز اوپر سے ان کو ٹھونک رہا ہے اور داروغہ صاحب گلا پھاڑ پھاڑ کر غُل مچائے جاتے ہیں کہ میاں! کیوں لڑتے مرتے ہو بھئی! دھول دھپے کی سند نہیں، زبانی ہی داخلہ رہے۔ خوجی اپنے دل میں جھلا رہے ہیں کہ اچھے میرِ فیصلہ بنے۔ اتنے میں کسی نے نواب صاحب سے جا کر کہہ دیا کہ میاں خوجی اور داروغہ صاحب اور بزاز تینوں گتھے پڑے ہیں تو ایک مصاحب بولے کہ بھئی! واللہ اچھی تگڈم ہے۔

اتنے میں بزاز دوڑا ہوا آیا اور نواب صاحب سے فریاد کی کہ ہجور (حضور) ہم آپ کے ہاں تو سستا مال دیتے ہیں، مگر یہ کھوجی (خوجی) حساب کتاب کے وکھت (وقت) نہ ٹلے، لاکھ لاکھ کہا: کہ بھئی! ہم اپنے مال کا بھاؤ تمھارے سامنے نہ بتائیں گے، مل انھوں نے ہاری مانی نہ جیتی اور الٹے پنجے جھاڑ کے چتپٹ کی ٹھہرائی۔ کمجور (کمزور) مار کھانے کی نشانی میں نے وہ گدّا دیا کہ چھٹی کا دودھ یاد کرتے ہوں گے۔ داروغہ بھی روتے پیٹتے آئے کہ دہائی ہے۔ چارپائی کی پٹی توڑ ڈالی، خاصدان توڑ ڈالا اور سینکڑوں ہی صلواتیں سنائیں۔

میاں خوجی ایسے دھپیائے گئے اور اتنی بے بھاؤ کی پڑیں کہ بس کچھ پوچھیے نہیں۔ داروغہ نے تو حضرت کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بزاز نے تان تان کر لپڑ لگانے شروع کیے۔ خوجی نے دونوں کو گیدی اور مردک خر بنایا اور بہت کچھ ڈانٹ ڈپٹ کی کہ لانا میری قرولی، مگر ایک نے بھی شنوائی نہ کی۔ نواب صاحب کو جو خدامِ

باادب نے خبر کی تو بزاز دوڑ آیا اور معاً یہ فقرہ چست کیا کہ حضور! میں تو حساب کرنے آیا تھا مگر جس قیمت پر اس سرکار میں کپڑا فروخت کرتا ہوں اس قیمت پر کسی اور کے ہاتھ تھوڑا ہی بیچتا ہوں۔ خوجی وہاں داروغہ جی کے پاس ڈٹے بیٹھے تھے۔ میں سوچا کہ سب قسم کے کپڑوں کی قیمت سے واقف ہو جائیں گے اور صورت سے آدمی کھوٹے معلوم ہوتے ہیں، ان سے ڈرنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ: خوجی صاحب! آپ ذرا اس وقت باغ میں ٹہلیے تو ہم حساب کرلیں۔ بس اس پر آنکھیں نیلی پیلی کر کے لام کاف بکنے لگے۔ نواب کے دل میں یہ بات کھب گئی۔ خوجی اور داروغہ اور بزاز تینوں کو بلوایا اور اظہار لینے شروع کیے۔

نواب: داروغہ صاحب! یہ کیا جھگڑا تھا؟ بھئی! تم تو بیٹھے بیٹھے خوب مینڈھے لڑا دیتے ہو۔

داروغہ: حضور! یہ خوجی صاحب تو بڑے ہی تیکھے آدمی ہیں۔ بات بات پر قرولی بھونکتے ہیں اور گیدی تو تکیۂ کلام ہے۔ حضرت! تاکے باشد۔ یہ بے گیدی بنائے نہ چھوڑیں گے۔ اس وقت لالہ بلدیو ہی سے بھڑ پڑے۔ اب میں لاکھ ہاں ہاں کرتا ہوں۔ سمجھاتا ہوں وہ ہاری مانتے ہیں، نہ جیتی۔ وہ تو یہ کہیے میں نے بیچ بچاؤ کر دیا ورنہ ایک آدھ کا سر ہی پھوٹ جاتا۔

بزاز: بڑے بھلے آدمی ہیں، وہ تو دروگا (داروغہ) بچرؤ (بیچارے) نہ آجائیں تو کپڑے وپڑے پھاڑ ڈالیں۔

خوجی: تو اب روتے کاہے کو ہو، جو ہوا سو ہوا۔ آئی گئی بات ہوگئی۔ اب یہ دکھڑا لے کے کیا بیٹھے ہو۔

نواب: لپاڈگی تو نہیں ہوئی؟

خوجی: نہیں حضور! شریفوں میں کہیں ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ بھلا! ہم نے ان کو للکارا۔ انھوں نے ہم کو ڈانٹا مگر کندے تول تول کے دونوں رہ گئے۔ بھلے مانس پر ہاتھ اٹھانا کچھ دل لگی ہے اور پھر شریف کہیں پٹ کے آتے ہیں۔

[illegible] میں خوجی نواب کی محفل میں جا کر بیٹھے اور ادھر لالہ بلدیو اور داروغہ صاحب گئے کہ حساب

داروغہ: ہاں بھئی! لالہ بتاؤ۔

لالہ: اجی بتائیں کیا جو چاہو، دلوا دو۔

داروغہ: پہلے یہ بتاؤ کہ تمھارا آتا کیا ہے؟ سو دو سو۔ دس بیس پچاس جو ہو کہہ دو۔

لالہ: دروگا جی! آج کل کپڑا بڑا مہنگا ہے۔

داروغہ: لالہ! تم نرے گاؤدی ہی رہے۔ اجی! ہم کو گراں اور ارزاں سے کیا واسطہ۔ ہم کو اپنے حق سے مطلب ہے۔ تم تو اس طرح کہتے ہو جیسے ہماری گرہ سے جاتا ہے۔

لالہ: پھر اب کی سات سو ترپن روپے نکالیے۔

داروغہ: سات سو ترپن۔ بس! ارے میاں! اب کے اتنے دنوں میں بس سات ساڑھے سات سو ہی کی نوبت آئی؟

لالہ: جی ہاں! اجی آپ سے تو کچھ پردہ ہی نہیں۔ دو سو اور چھبیس روپے کا کپڑا آیا ہے۔ اندر باہر سب ملا کے، مگر پرسوں تو نواب صاحب کہنے لگے کہ اب کے تو تمھارا کوئی پانچ چھے سو کا مال آیا ہوگا۔ میں نے کہا کہ: ایسے موکے (موقع) پر چوکنا گدھا پن ہے۔ وہ تو پانچ سو بتاتے تھے۔ میرے منہ سے نکل گیا کہ حساب کیے سے معلوم ہو۔ کل کوئی سات آٹھ سو کا آیا ہوگا۔ تو اب سات سو ترپن ہی رکھیے۔ اس میں ہمارا آپ کا سمجھوتہ ہو جائے گا۔

داروغہ: اجی! سمجھوتہ کیسا۔ ہم تم کچھ دو تو ہیں نہیں اور ہمارے تمھارے تو باپ دادا کے وقت کے مراسم ہیں۔ تم تو مثل اپنے عزیزوں کے ہو۔ لے بولو۔ کتنے پر فیصلہ ہوتا ہے، بتاؤ۔

لالہ: بس دو سو چھپن تو ہم کو ایک دیجیے اور تین سو اور دیجیے۔ اس کے بعد جو بڑھے وہ آپ کا۔

داروغہ: ٹھہرو میں حساب تو لگا لوں۔ دو اور تین پانچ ہوئے تو پانچ سو چھپن تو تم لو۔ اور وہاں بچا کیا۔ سات سو ترپن میں سے پانچ سو چھبیس گئے تو کتنے بچے؟

لالہ: دو سو ستائیں۔

داروغہ: (قہقہہ لگا کر) اچھا بھئی منظور! ہاتھ پر ہاتھ مارو۔

لالہ: پھر دلوایئے تو چلیں۔

داروغہ: ابھی لو۔ گھبراتے کیوں ہو؟

داروغہ نے پانچ سو چھبیس روپے بزاز کے حوالے کیے اور دو سو ستائیس نلوہ اڑائے۔ بزاز جانے لگا تھا کہ داروغہ نے پھر پکارا۔

داروغہ: بھئی! سنتے ہو۔ سات سو ترپن روپے چھ آنے لکھ لو، تا کہ معلوم ہو کہ آنے پائی سے حساب لیس ہے۔

لالہ (مسکرا کر) بڑے کائیاں ہو داروغا جی! اجی! دو سو ستائیس روپیہ چھ آنہ کُل آپ کا۔

آواز: ''بلکہ آپ کے باپ کا۔''

جیسے ہی داروغہ اور لالہ میں باہم گفتگو ہو چکی ویسے ہی ایک موکھے میں سے آواز آئی۔ لالہ نے کہا: کُل آپ کا اور آواز آئی کہ: ''بلکہ آپ کے باپ کا۔'' تب تو دونوں چونکنے ہوئے کہ بھئی! یہ کون بولا؟ اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں۔ کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ سخت حیرت ہے کہ یاالٰہی! یہ کون بولا؟ داروغہ کے حواس غائب۔ بزاز کے بدن میں خون کا نام نہیں کہ اتنے میں پھر آواز آئی: ''کہو! کچھ یاروں کا بھی حصہ ہے؟'' تب تو دونوں کے رہے سہے ہوش اور بھی اُڑ گئے کہ یہ اسرار کیا ہے؟

اب سنیے کہ جب خوجی نواب نامدار کی بزمِ عشرت بار میں بیٹھے تو داروغہ اور بزاز دونوں کو ڈھارس ہوئی کہ اب یہ بلا ٹلی اور پھر وہ سوچے کہ پٹ پٹا کر اب کس منہ سے میاں خوجی یہاں آئیں گے، لیکن خوجی ایک ہی بے حیا۔ راستے بھر یہی خیال تھا کہ وہ لوگ مطمئن ہو کر وارے نیارے کر رہے ہوں گے تو چپکے سے کسی بہانے اُٹھے اور اُٹھ کر کھپریل کے پچھواڑے ایک موکھے کی راہ سے سب سنا کیے۔ جب کُل کارروائی ختم ہوگئی، تو فرمایا کہ: (بلکہ آپ کے باپ کا) خیر۔ داروغہ اور لالہ بلدیو نے ان کو ڈھونڈ نکالا اور للو پتو کرنے لگے۔

بزاز: ہمارا کسور (قصور) ما پھ (معاف) کیجیے۔

داروغہ: اجی! یہ ایسے آدمی نہیں۔ یہ بے چارے کسی سے لڑنے بھڑنے والے نہیں۔ اپنے کام سے کام

ہے۔ باقی لڑائی جھگڑا تو ہوا ہی کرتا ہے۔ دل میں کدورت آئی اور صاف ہوگئے۔

خوجی: یہ باتیں تو عمر بھر ہوا کریں گی۔ مطلب کی بات فرمایئے۔

داروغہ: جو ارشاد ہو۔

خوجی: لاؤ پھر کچھ اِدھر بھی۔

داروغہ: جو کہو۔

خوجی: سو دلوایئے۔ پورے ایک سو لیے بغیر نہ ٹلوں گا۔ آج تم دونوں نے مل کر خوب ہماری مرمت کی ہے اور ہمارے پاس اتفاق سے قرولی نہ تھی۔

داروغہ: یہ تیس روپے تو ایک لیجیے اور یہ دس کا نوٹ بس۔ اور جو اسیٹھ کیجیے تو اس سے بھی ہاتھ دھویئے۔

خوجی: اجی! از خرس موئے بس ست۔ لایئے چالیس کیا کم ہیں۔

بزاز: کھاسی رکم کی رقم ہے (خاصی رقم کی رقم ہے)

خوجی: تمھاری بھی پانچوں گھی میں ہیں اور سر کڑاہی میں ہے۔

داروغہ: (اپنے دل میں) اچھے ملے۔ ہم سمجھے تھے کہ بس ہم ہی ہم ہیں مگر یہ ہمارے بھی گُرو پیدا ہوئے۔ جب دیکھو سا جھے کو مستعد۔ اچھا پیٹا مار اگر اب ان کے دن بھی پورے ہوگئے۔

(فسانۂ آزاد)